بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقیّۃ

حقیقت کیا ہے

تحقیق: الفقیہ الحکیم السیّد محمد احسن زیدی مجتہد

(ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تقیّة

حقیقت کیا ہے؟

تحقیق: الفقیہ الحکیم السیّد محمد احسن زیدی مجتہد

(ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس)

گزارش!

دینِ اسلام، دینِ فطرت، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تعلیمات، نورِ اوّل رحمة للعٰلمین رسوؐل پاک کے کردار و عمل سے پہنچایا ہوا دین، شریعتِ محمدیؐ، شریعت سہلہ یعنی آسان ترین شریعت، ان تمام پر نہ تو کبھی اعتراض ہوا ہے نہ ہی کبھی سوال یا اعتراض قائم کیا جا سکتا ہے۔ دین اسلام اور شریعتِ محمدیؐ پر جتنے بھی اعتراضات اور دشنام طرازی ہوئی وہ نام نہاد علما اور علمائے سوء کے اعمال و افکار اور طرزِ زندگی ہے۔ ان علما کو اسلام سمجھا جاتا رہا ہے۔ انہیں اسلام کے اصولوں پر پرکھنے کی بجائے اسلام کو ان کے خودساختہ اصولوں پر پرکھا جاتا رہا ہے۔ ان علما ہی کی وجہ سے اسلام اس وقت اقوامِ عالم کی نظر میں شدت پسند اور دہشت گرد طرزِ عمل کا نام ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ دینِ اسلام اور اس کے پہنچانے والے معصومؑ حضرات رسوؐل پاک اور آئمہ معصومینؑ جن کی پاکیزگی کی قسمیں اللہ و قرآن نے اٹھائی ہیں بھی اس دشنام طرازی سے محفوظ نہیں ہیں۔ حقائق کو سمجھے بغیر ان نام نہاد علما کی غلط فہمیوں کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ ایک دوسرے پر طعن و تشنیع اور لعنت و ملامت سے جذبات مجروح کئے جاتے ہیں۔ ان غلط فہمیوں کی بنیاد پر دین اسلام مذاہب عالم کے سامنے ایک ناقابل

عمل، شدت پسند اور مضحکہ خیز دین بن کر رہ گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر مذہب و مسلک کے لوگوں کے دلوں میں ان کے مسلک کو زیبائش عطا کی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ ''جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں انہیں دشنامی کا نشانہ نہ بناؤ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی لاعلمی اور تمہاری پیدا کردہ دشمنی کی بنا پر اللہ کے سر پر دشنام طرازی کر بیٹھیں ۔ وجہ یہ ہے کہ ہم نے ہر مسلک کے لوگوں کے دلوں میں ان کے مسلک کو زیبائش عطا کی ہے۔ جب یہ ہماری طرف رجوع کریں گے تو ہم ان کو حقیقت حال سے باخبر کر دیں گے۔'' (6/108)

تمام سابقہ مذاہب قابل تعظیم و تکریم و محبت ہیں۔ کیونکہ تمام سابقہ مذاہب ہی وہ زینہ ہیں جنہوں نے تکمیل اسلام تک ہمیں بلند کیا۔ تمام مذاہب کے انبیا علیہم السلام پر ایمان لانا واجب ہے تمام سابقہ کتب حق ہیں، حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ:

''اگر میرے لئے مسند حکمرانی بچھائی جائے تو میں مسلمانوں کو قرآن سے، یہودیوں کو توریت سے، اہل انجیل کو انجیل سے اور اہل زبور کو زبور سے احکام دوں گا۔''

قرآن کریم نے سابقہ کتابوں کو Cancel نہیں بلکہ تصدیق کی ہے (2/91,35/31)۔

قرآن میں تمام قائم رہنے والی کتابیں موجود ہیں (98/3)۔ رسولؐ و آئمہ طاہرینؑ تمام مصحف طاہرہ کی تلاوت کرتے رہے ہیں۔ (98/2)

آج سابقہ مذاہب میں اسلام کے جن بنیادی اصولوں سے اختلاف و انحراف نظر آتا ہے، جن کی وجہ سے طعن و تشنیع و دشنام طرازی کا نشانہ بنایا جاتا ہے وہ اُس وقت کے ماہرین مذہبیات و سیاسیات یعنی نام نہاد علما کے ملکی و حکومتی مصلحتوں اور ذاتی مفاد کی خاطر اپنے خود ساختہ اصول تھے۔ جن پر آج بھی مذہب سمجھ کر عمل کیا جاتا ہے۔ مذہب اسلام میں بھی یہی دستور و عمل جاری و ساری ہے۔ غیر مسلم تو بہر حال با مذہب ہیں، ہمارا مذہب تو بے مذہب دشمنوں سے بھی محبت و ایثار کا درس دیتا ہے۔

اس کتابچہ میں مختصراً ایک ایسی اصطلاح کے بارے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں تحقیق پیش کی جا رہی ہے جس کی غلط تفہیم اور ان پر غلط عمل کرنے پر اسلام، مذہبِ محمدؐ و آل محمدؐ پر بھروسہ و اعتماد اور یقین مشکوک ہوا، تضحیک کا نشانہ بنایا گیا اور ان معصومؑ ہستیوں پر دشنام طرازی ہوئی۔

تقیّہ

مسئلہ تقیہ میں ''تقیّہ'' کے جو معنی نام نہاد علما نے اختیار کئے اور جس طرح عوام کو سمجھایا اور عمل درآمد کروایا وہ پوری تعلیماتِ خداوندی اور پورے قرآن کی تردید کرتا ہے۔ کربلا کا مقصد، علیؑ کی محنتیں، انبیا علیہم السلام کا مشن برباد کرتا ہے۔ تقیّہ کے معنی ''مصلحت آمیز جھوٹ''، مختصر الفاظ میں ''دھوکہ'' کر کے دین کا 9/10 حصہ اسی جھوٹ اور دھوکہ بازی کی نذر کر کے ضائع کر دیا ہے۔ اصطلاحاً تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ:

اپنے ایمان کو تہہ در تہہ چھپائے رکھنا، جان بچانے کے لئے کفار کے ساتھ
دوستانہ رویہ رکھنا، شدید خوف کی حالت اور برداشت کی طاقت نہ ہونے کی
صورت میں کلمہ کفر کہہ جانے کی اجازت۔

تقیہ کے ان معنی اور تعریف کا اسلامی تعلیمات اور لغات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسلام کی مجموعی تنفیذ میں تدریج کا مدنظر رکھنا واجب و لازم و فرض و مفید تھا۔ اور اس اصول کو کلام اللہ و کلام معصومین علیہم السلام میں تقیہ فرمایا گیا ہے

اور حکم دیا گیا ہے کہ دین کی اشاعت وتبلیغ میں تقیہ کو کسی لمحہ نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ آئمہ معصومین علیہم السلام نے تقیہ کو مکمل اور اپنا آبائی دین قرار دیا ہے۔ کہیں تقیہ کی اہمیت پر زور دینے کیلئے دین کے دس حصوں میں سے تقیہ میں دین کے نو (9) حصے موجود ہونا فرمایا ہے۔ مگر نام نہاد علما کے یہاں اسلام کے کلیدی مسائل کو ہمیشہ تبدیل کرتے رہنے کا دستور رہا ہے۔ چنانچہ تقیہ کے معنی انہوں نے مصلحت آمیز جھوٹ بیان کئے اور کہا کہ جب جان کا خطرہ ہو تو تقیہ کی اجازت ہے ورنہ تقیہ حرام ہے۔ اور چونکہ ان لوگوں کو ہر غلط بات دین کے پردوں میں لپیٹ کر کہنا لازم تھی تا کہ مسلمان اُن کی بات کو اسلام کی بات سمجھیں اس لئے ہر غلط بات کو قرآن کی آیات یا حدیث کی غلط تشریح کے ذریعہ مسلمانوں میں پھیلانا ضروری تھا۔ چنانچہ انہوں نے مسئلہ تقیہ کے لئے بھی آیات و احادیث کو مروڑ کر فٹ کیا ہے۔ لیکن لفظ ''تقیہ'' اور ''تقویٰ'' ایک ہی مصدر کے الفاظ ہیں۔ لہٰذا تقیہ کرنے والا شخص متقی ہوتا ہے۔ اور کسی مسلمان کو کسی بھی حالت میں تقویٰ ترک کر کے فاسق (قانون شکن) ہو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں تقویٰ پر جس قدر زور دیا گیا کسی دوسری عبادت یا عمل پر اُتنا زور نہیں دیا گیا ہے۔ حد یہ ہے کہ ایک غیر متقی شخص کا نہ ایمان قبول ہے نہ عبادت و اسلام کی کوئی قدر و قیمت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو کوئی تقیہ یا تقویٰ کو ایک لمحہ کیلئے نظر انداز کر دے وہ فاسق ہے۔ اور فاسق کی کوئی بات حتّٰی کہ گواہی بھی قابل قبول نہیں ہے (حجرات 49/6)۔ یعنی تقویٰ بھی امامت و ولایت کی طرح کسی حال میں ساقط و معاف نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ امامت و تقویٰ کوئی ایسی چیزیں ہونا چاہئیں جس پر ہر شخص آسانی سے ہر وقت عمل کر سکے۔ چنانچہ خطرات اور دقتوں کے عالم میں بھی امامت و ولایتِ مرتضوی پر ایمان رکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ایمان ایک قلبی و ذہنی عمل ہے۔ یہی حال عمل کے میدان میں تقیہ کا ہے۔ یعنی جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دین کی فلاں بات اگر بلا تمہید و تالیف قلب کہہ دی گئی تو نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلے گا تو ہم پر واجب ہے کہ وہ تمام سامان فراہم کریں جسکے بعد ہماری تبلیغ قلوب کی گہرائی تک اُتر جائے گی اور کسی جانب سے انکار نہ ہوگا۔ یہی تقویٰ اور تقیہ ہے۔ یعنی ایسے اقدامات کرنا جن کے بعد مخالفت اور بہانہ سازی کی تمام گنجائشیں ختم ہو جائیں اور تبلیغ کا نتیجہ اسلامی مقاصد کے حق میں نکلے۔ یہ وہ فطری طریقہ اور انسانی و دینی ضرورت ہے جس سے فرار نہیں ہے۔ لہٰذا ہماری تمام ناکامیاں اس وجہ سے سامنے آتی ہیں کہ ہم نے اپنے اقدامات میں بالکل یا کسی مقدار میں تقیہ کو نظر انداز کر دیا تھا۔ یعنی سو فیصد متقی وہ ہے جو کبھی تقیہ نہ چھوڑے اور کبھی ناکام نہ ہو۔ تقویٰ اور تقیہ کے معنی بھی بُرے نتائج سے ڈر کر عمل کرنا ہیں۔ یعنی ایسا محتاط عمل جس کا نتیجہ اچھا ہو۔

تقیّہ کی اجازت:

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ O (3/28)

''مومنین، مومنین کے سوا کافروں کو اپنے حکمران نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کریگا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہ رہے گا۔ البتہ تقویٰ کی حدود میں رہنے کے لئے (متقی لوگوں کے لئے) جائز ہے۔ مگر اللہ تمہیں اپنے نفس (نفس اللہ) سے بچنے کی تاکید کرتا ہے اور تمہیں اللہ کے نفس کے سامنے پلٹ کر جانا ہے۔''

اس آیت میں مسئلہ تقیہ بیان ہوا ہے۔ آیت کے پہلے حصہ میں واضح حکم صادر فرما دیا ہے کہ مومنین، مومنین کے سوا، کافروں کو اپنا حکمران نہ بنائیں اور جو کوئی مومن ایسا کریگا اس کا اللہ سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ رہے گا۔ اس آیت کے دوسرے حصہ میں مومنین کو مشروط اجازت دی گئی ہے کہ مقاصدِ محمدؐ و آل

محمدؐ کے حصول کیلئے اورانؐ کی پالیسیوں کو پروان چڑھانے کیلئے حق کو چھپانے والوں (کافروں) کی ولایت واقتدار وحکومت میں رہا جاسکتا ہے اور وہ دو کڑی شرطیں یہ ہیں۔

1) تقویٰ یعنی ذمہ دارانہ پوزیشن، عمل اور اسکے نتائج کو تباہی وناکامی (failure) سے بچانے کی حدود میں رہتے ہوئے لائحہءعمل یا تقیہ اختیار کیا جائے گا۔

2) پھر تقیہ کے ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ اپنے نفس (نفس اللہ) سے بچ کر رہنے کی تاکید فرماتا ہے۔ نفس اللہ یعنی امامِ زمانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رو برو پہنچ کر تمہارا عمل درآمد صحیح نکلنا لازم ہے۔ تب بات بنتی ہے ورنہ خطرہ ہی خطرہ ہے۔

اس آیت کے آخری حصہ میں فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ مومنین کے ہر دو طرح کے عمل درآمد اور ان کے نتائج، فیصلہ کے لئے نفس اللہ کے رو برو پیش ہو ں گے۔ غلط عمل درآمد، غلط نتائج پر مواخذہ اور باز پرس ہوگی۔ صحیح عمل درآمد، صحیح نتائج کے اجر وثواب کا دارومدار بھی نفس اللہ کی رضا اور خوشنودی پر منحصر ہوگا۔ یعنی آخری فیصلہ امام زمانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی صادر فرمائیں گے۔

<u>علامہ مودودی تقیّہ سے کیا سمجھے؟</u>

''25 یعنی اگر کوئی مومن کسی دشمنِ اسلام جماعت کے چنگل میں پھنس گیا ہو اور اُسے اُنکے ظلم وستم کا خوف ہو تو اس کو اجازت ہے کہ اپنے ایمان کو چھپائے رکھے اور کفار کے ساتھ بظاہر اسی طرح رہے کہ گویا ان ہی میں کا ایک آدمی ہے۔ یا اگر اسکا مسلمان ہونا ظاہر ہو گیا تو اپنی جان بچانے کیلئے وہ کفار کیساتھ دوستانہ رویہ کا اظہار کر سکتا ہے۔ حتّٰی کہ شدید خوف کی حالت میں جو شخص برداشت کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کو کلمۂ کفر کہہ جانے کی رخصت ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 244)

یہ تصور اور طرزِ فکر اوّلین ماہرین سیاسیات ومذہبیات نے تنخواہ دار اور ملازمانِ سرکار علما کے ذریعے ہماری قوم میں رائج کیا۔ ہماری اجتماعی زندگی کو تباہ کرنے کیلئے درج ذیل اقدامات کئے:

(1) نماز جماعت کو سنت قرار دیا۔

(2) پھر تین فرسخ کے اندر نماز جمعہ منع کیا۔

(3) جمعہ کو حرام، پھر۔

(4) اختیاری اور غیر ضروری قرار دیا اور آخر میں۔

(5) جہاد حرام کر کے حکومت سے کہہ دیا کہ:

بے فکر ہو جاؤ، شیعہ قوم ہرگز تمہارے خلاف تلوار نہ اُٹھائے گی اور رفتہ رفتہ تلوار رکھنا حرام کر لے گی، ایسی دین پرور بنے گی کہ خوف کے وقت مروجہ تقیّہ کر کے دین کے صرف 1/10 حصہ پر عمل کرے گی۔ یزید وشمر جیسے ملعون پیدا ہوتے رہیں گے ان سے تعارض نہ کرے گی۔ البتہ فاتحہ ودرود اور اپنے سینہ پر ماتم کر لیا کرے گی۔

شیعوں کے یہاں مسئلہ تقیہ کے اغراض ومقاصد اور جواز پیش کرتے ہوئے ایک مثال دی جاتی ہے اور ہر عالم اس کا تذکرہ ضرور کرتا ہے۔

ایک شخص ہانپتا کانپتا دوڑتا ہوا آپ کے مکان میں داخل ہو جاتا ہے۔ (آپ جانتے ہیں کہ وہ شخص نیک نہاد۔ پابند صوم وصلوٰۃ وغیرہ ہے) ذرا دیر بعد ایک دوسرا شخص (کف بزبان۔ لال پیلا۔ عادی مجرم۔ غنڈا) برہنہ تلوار لئے پہنچتا ہے دریافت کرتا ہے کہ ایسا ویسا ایک شخص یہاں سے گزرا یا اس گھر میں

آیا ہے؟ میں اس کو جان سے ماردوں گا، وغیرہ وغیرہ وغیرہ۔ اس گفتگو کو نہایت دلنواز انداز میں بطور مقدمہ رکھ کر اب مولوی حضرات ایک عام سوال کرتے ہیں کہ ''بتایئے کیا آپ سچ بول کر اس نیک شخص، مظلوم و بے گناہ فرد کو موت کے منہ میں جانے دیں گے؟ یا تقیہ (بمعنی جھوٹ) اختیار کر کے اس کی جان بچائیں گے؟''

قارئین غور فرمائیں کہ مذکورہ بالا ماحول صرف عقل کو ساتھ ملانے اور ہمدردی حاصل کرنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن ہمیں معلوم کرنا ہے کہ:

کیا قرآن کریم نے کمزوری کے عذر سے تنفیذ دین نہ کر سکنے والوں کو جہنمی قرار نہیں دیا؟ کیا یہ نہیں بتایا کہ تم نے ہجرت کیوں نہ کی؟ اور کیا حدید (لوہا) کا نزول کمزور رہنے کا سبق دیتا ہے؟ آخری بات یہ ہے کہ کیا مادی قوت کی کمی، خوف جان و مال کا عذر مستقل ہے؟ کیا یہ نظام شہادت کو اس دنیا سے رخصت کر کے کربلا والوںؑ کو سراسر غلط ثابت نہیں کر دیتا؟ شہید ہونے کیلئے کیا پھر اہلِ خلاف اور غنڈے رہ جائیں گے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

''درحقیقت اللہ کے نزدیک تمام انسانوں سے افضل وہ شخص ہے جو حق کو محبوب رکھتے ہوئے اس پر کاربند رہے۔ خواہ ایسا کرنے میں وہ نقصانات اور غم واندوہ کے تہہ در تہہ بادلوں میں گھر جائے اور باطل کی طرف متوجہ تک نہ ہو خواہ وہ اس کے لئے فوائد و افزائش فراہم کرے۔'' (نہج البلاغہ خطبہ نمبر 123 مفتی جعفر حسین)

قرآن واحادیث کی روشنی میں تقیّہ کی تعریف:

مادہ	مصدر	معنی
و۔ق۔ی	وَقَیٌ	بچنا، ڈرنا

اس خاندان کے مختلف الفاظ:

التَّقْوٰی، تقیّۃ : بُرے نتائج سے ڈر کر عمل کرنا، یعنی ایسا محتاط طرزِ عمل جسکا نتیجہ اچھا ہو،

متقی ۔ تَقَی، یتقی، تَقَیً، وَتِقاء، وتقیَّۃ

تقیّہ: تقیّہ جھوٹ بولنے، دھوکہ دینے اور جان بچانے کیلئے حقائق کے انکار کو نہیں کہتے۔ بلکہ اس طرزِ فکر و عمل کو کہتے ہیں جس میں ذمہ دارانہ اعمال واقدامات اپنا کمال دکھائیں، جو کام عام حالات اور مروجہ دستور و عمل میں ناممکن ہو اُسے تدریج کے ساتھ ممکن کر کے دکھائے۔

لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ہم بات کرنے سے پہلے اور ہر اقدام کرنے سے قبل نتائج پر غور کریں اور کوئی ایسا لفظ منہ سے نہ نکالیں، کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں، جس کا نتیجہ کسی حیثیت سے بھی مضر اور نقصان دینے والا ہو، اس طرز فکر کو تقویٰ کہتے ہیں۔ اس طرز فکر کے ساتھ ساتھ اگر آپ کا مطلوبہ نتیجہ معروف طریقوں سے نہیں نکلتا تو دینی بصیرت اور پیش پا افتادہ صورت حال میں ایسی راہ نکال لینا جو مطلوبہ نتیجے کی ذمہ داری لے لے، اس طرز عمل کو تقیہ کہتے ہیں۔ چنانچہ تقویٰ اور تقیہ ہر حال میں مومن کے وہ ہتھیار ہیں جن کے مقدر میں کامیابی ہی کامیابی لکھی ہے۔ اور جو اِن میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز کر دے اس کیلئے کسی نہ کسی منزل پر ناکامی مقدر ہے۔

تقیّہ کی مثالیں رسولؐ پاک کی اوّلین چالیس سالہ زندگی

تمام انبیاء علیہم السلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تقیہ پر عمل کیا۔ اوّلین مخلوق، نورِ اوّل، رحمۃ للعلمین حضرت محمدؐ اُس وقت بھی نبیؐ تھے جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور طین کی حالت میں تھے۔ اُس وقت بھی نبیؐ اور صاحبِ کتاب تھے (جس طرح حضرت عیسیٰؑ صاحبِ کتاب نبی

ؐ تھے) جب انہیں نازل کیا گیا، اس وقت سے لیکر اعلانِ نبوت تک رسوؐل پاک نے اوّلین چالیس سالہ زندگی اسی قانون تقیّہ کے ماتحت گزاری۔ بلا تصادم کامیابی سے بڑھتے رہے، معاشرہ کے ہر دوست و دشمن واغیار سے صادق اور امین منوا کر چھوڑا۔ اعلانِ نبوت کے بعد آپؐ نے تقیّہ پر مفصل قوانین اور بیان دئے (جسے بعد کے ماہرین مذہبیات وسیاسیات نے تبدیل کر کے اسلام کو خود ساختہ، اپنی مرضی اور زبردستی کا دین بنا دیا)۔ رسوؐل پاک کی اوّلین چالیس سالہ زندگی اسی بنیادی قانون کے تحت تھی ’’ خدا نے قانونی جبر سے لوگوں کو مومن بنانا پسند کیا ہوتا تو یہ لوگ ہرگز کسی کو خدا کا شریک نہ بناتے۔ چنانچہ آپ کو بھی ٹھیکہ نہیں دیا گیا کہ اگر یہ مومن نہ بنیں تو تم سے بطورِ وکیل مواخذہ کیا جائے۔‘‘

(سورہ الانعام 6/107)

اعلان نبوت کے بعد اسلام کی تنفیذ میں تدریج

دین کے احکام کو شک وشبہ سے بلند تر رکھنے اور مشرکینِ عرب کی سیاست کو بے نتیجہ و بے اثر بنانے کیلئے آنحضرتؐ نے مسائل کی ترتیب میں اصولِ تدریج وتمہیل (مہلت) اختیار کی تا کہ مقاصدِ دینی واضح تر، مفید تر اور محکم تر ہو کر برآمد ہوں۔ اور اسی کو ہم نے تقیہ وتقویٰ کی ذیل میں بیان کیا ہے ۔ آپؐ نے پہلے نمبر پر اپنی نبوت کے اقرار واعلان کو ملتوی فرما دیا۔ اور پہلا اسلامی مطالبہ وحدانیتِ خداوندی کی صورت میں پیش فرمایا۔ باقی سینکڑوں فرائض وواجبات کو تقیہ کی تدریجی منازل میں تقسیم کر دیا۔ تا کہ عوام وخواص بلا کسی مزاحمت اور دباؤ کے سمجھ کر اور خوشی خوشی اختیار کرتے چلے جائیں اور قریشی لیڈر مخالفت کا عام فہم بہانہ نہ پا سکیں۔ اور جو حضرات آنحضرتؐ کی تعلیم کے ماتحت اللہ کو یگانہ مان لیں گے۔ وہ بالواسطہ آپؐ کی نبوت کے ماننے والے بھی ہو جائیں گے۔ چنانچہ عرصہ دراز تک وحدانیت کی وضاحت کی ذیل میں انسانی وحدت و یگانگت اور حقوق اللہ وحقوق العباد اور اخلاق حسنہ کی تعلیم جاری رکھی ۔ تمام طبقات اور مذاہب کے لوگ حضوؐر کی قوتِ قدسیہ سے مستفید ہوتے رہے۔ اپنی مرادیں پاتے رہے۔ بلا تفریق قوم وملت آپؐ سب کیلئے مشکل کشاء اور پناہ بن کر رہ گئے۔ مخالف محاذ فتح مکہ کے بعد میدان جنگ سے ہٹا تو لا الٰہ الّا اللّٰہ کہہ کر اپنے متعین کردہ داخلی اور منافق محاذ کے ساتھ اسلام میں شامل ہو گیا اور طے کر لیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لا اِلٰہ الّا اللّٰہ سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔ اور وحدانیت سے آگے بڑھنے والے ہر لفظ اور ہر تعلیم کو پبلک میں شرک قرار دیا جائے۔ اور یہ بتایا جائے کہ دیکھو فلاں بات غیر ضروری ہے اور خاندانِ ہاشم کی حکومت اور اقتدار قائم کرنے کا پیش خیمہ اور تمہید ہے۔ اس کے بعد یہ کہا جائے گا اور پھر وہ کہا جائے گا اور یوں ہی رفتہ رفتہ علیؑ بن ابی طالبؑ کی جانشینی اور حکومت کا اعلان کر دیا جائے گا۔ یہ اور اسی قسم کی مشرکانہ ومشترکہ پالیسیاں تھیں جن کو ناکام کرنے کے لئے نہ صرف اقرار ولایت کو التوا اور مُناسب حالات کے سپرد کیا گیا۔ بلکہ نماز وروزہ وزکاۃ اور اقرار نبوت ورسالت کو بھی ملتوی کر دیا گیا۔ ذرا سوچئے کہ نبوّت کے تیرہ سال مکہ میں گزرے۔ مدینہ میں آکر چھ سات سال کے بعد جنگ خیبر ہوئی۔ اس کے بعد کہیں حضرت ابو ہریرہ ایمان لائے۔ اور نہ معلوم ان کے ایمان لانے کے کتنے دن بعد رسوؐل اللہ نے ان کو یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ جو بھی اقرار وحدانیت کر لے وہ جنتی ہے۔ ’’قولوا لا اِلٰہ الّا اللّٰہ و تفلحوا۔‘‘

قارئین یقیناً آپ کو تعجب ہوگا کہ شراب جو تمام اُمتوں میں حرام چلی آرہی تھی، توریت وانجیل نے جسے حرام لکھا تھا، اس کیلئے آخر تک قرآن میں لفظ حرام نازل نہ ہوا۔ اسے مدینہ کے اوّلین مسلمان حلال سمجھ کر پیتے اور نمازیں بھی نشے کی حالت میں پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ دو شرابی صحابہ میں دوران نماز لڑائی ہو گئی تو شراب کو لفظ رجس کہہ کر شیطانی حربہ بنا کر اعلان نبوت سے اونیس بیس (19 یا 20) سال کے بعد جو کچھ اللہ نے فرمایا اس میں نہ کوئی دھمکی ہے نہ سزا مقرر کی ہے نہ سخت الفاظ ہیں۔ بس یہ فرمایا گیا کہ اے مومنین یہ شراب وغیرہ۔۔۔ وغیرہ شیطانی کاموں میں سے گندی چیزیں ہیں لہٰذا ان سے اجتناب کرو۔ اور یہ سب چیزیں اسلئے ہیں کہ شیطان تم میں پھوٹ ڈالے۔ نماز سے روکے، ذکر خداوندی سے باز رکھے اور عداوت کو مستحکم کرے۔ کیا تم باز

آجاؤ گے؟''

ہر آیت اور ہر بات (حدیث) اس انداز سے پیش کی جاتی تھی کہ جب بھی قوم (سورۃ الفرقان 25/30) کے جبر وتشدد سے محفوظ موقعہ ملے تو وہی آیات اور وہی احادیث جو سیاسی بصیرت کو اندھا رکھتی تھیں۔ کھلی کھلی حقیقت کی ترجمان بن جائیں۔ اگر تنزیل وتحدیث میں یہ خدائی حسن وتدریج نہ ہوتی تو اس قرآن کو مہجور کرنے والی رسولؐ کی قوم (25/30) نے قرآن کے متن کو بھی خاندانِ رسولؐ کی طرح قتل وتباہ کر دیا ہوتا۔ اسلامی ریکارڈ کے جمع کرنے اور محفوظ رکھنے میں اگر یہ متقیانہ انتظام نہ ہوتا تو آج ہم قومی حکومت کی بھول بھلیاں سے باہر نکلنے اور حقیقت کے وسیع میدان میں آنے کے قابل نہ ہوتے، یہ کمال تھا آنحضرتؐ کے معصومؑ نظام کا۔ اسی انداز سے برابر دین کی تشریحات جاری رہیں، جن سے عوام ہی نہیں بلکہ دشمنان اسلام بھی مطمئن رہے اور خواص بھی حقیقت واقعی تک پہنچتے رہے۔

حضرت سلمانؓ فارسی کا ایمان

ایک اور عام اور قابلِ فہم وعمل مثال حضرت سلمانؓ فارسی کے ایمان کی ہے جو انہوں نے حضرت ابوذرؓ پر آشکار نہ ہونے دیا۔ حدیث کے شیعہ ریکارڈ میں علمائے شیعہ کی مسلمہ حدیث بتاتی ہے کہ امام معصومؑ نے فرمایا کہ اگر جناب ابوذر غفاریؓ کو وہ سب کچھ معلوم ہو جائے جو حضرت سلمانؓ فارسی کو علم ہے تو ابوذرؓ غفاری کے نزدیک جناب سلمانؓ واجب القتل ٹھہریں۔

صوفیاء و اولیائے کرام کا کردار وعمل

صوفیائے کرام اور اولیائے کرام کا کردار وعمل تقویٰ اور تقیّہ کی اعلیٰ مثالوں میں سے ایک ہے۔ رسولؐ پاک کے وصال کے فوراً بعد عرب معاشرہ نے علم کا دروازہ اپنے ہاتھوں سے زبردستی بند کر دیا۔ علم دشمنی کے ساتھ ساتھ آلِ محمدؐ پر سب وشتم اور بریت کا اعلان کر دیا۔ رسولؐ پاک کی معصومیت اور معجزات کا انکار کر دیا۔ اصحابِؓ رسولؐ کو نظر بند کر کے تعلیمات معصومین علیہم السلام کو محدود کر دیا۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں اصحاب صُفّہ اور ان کے پیروکار صوفیائے کرام اور اولیائے کرام نے مُروجہ دستور وعمل سے ہٹ کر تقویٰ اور تقیّہ کی اقصائے عالم میں اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔

تقیّہ معصوم منصوبوں کا ایک حربہ ہے، تقیّہ کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں فرمایا ہے کہ:

''اللہ کا تقویٰ اُس شخص کے تقیّہ کی طرح اختیار کرو جس نے اپنا دامن کمر سے لپیٹ رکھا ہو، دُنیا کی وابستگی چھوڑ کر تنہا اور مجرد ہو گیا ہو، اور کمر کس کر نئی نئی کوشش کر رہا ہو۔ چُستی اور چالاکی سے عمر بھر کی مہلت کا پروگرام چلا رہا ہو، اور غلطیوں سے ڈرتے ہوئے محتاط پیش قدمیاں جاری رکھے۔ اور اپنی قرارگاہ (منزل) پر نظر رکھے۔ اور اعمال کے انجام اور مصدر کو اور واپسی کے مقام کو سامنے رکھے ہوئے ہو۔''

اس شعبہ (یعنی اصحابِ صفہ، صوفیائے کرام واولیائے کرام) کا مذہب حقیقتِ واقعی تھا۔ اس میں پانی کی طرح ہر رنگ قبول کرنے اور پھر بھی بے رنگ رہنے کی فطرت تھی۔ اُس نے ریاکارانہ عبادتوں کی خاموش مذمّت اپنا شعار بنایا۔ مذہبی تعصب کی بیخ کنی شروع کی۔ سرمایہ داری، دولت طلبِ جاہ وریاست اور دنیاوی لذات کو ترک کرانے اور خوفِ خدا دلوں میں پیدا کرنے کا اہتمام کیا۔ اُنہوں نے ظواہر پرستوں کے خلاف کہہ دیا کہ یہ دنیا اور اس دنیا کی نعمتیں، حکومتیں اور عیش وآرام تمہیں مبارک، ہم تمہیں بھی سلام کریں گے۔ مگر دل سے اُس کے غلام بنیں گے، اُس کے اشاروں پر چلیں گے، جس نے کسی عمر اور کسی حال میں لذتِ دُنیا کو نہ چکھا۔ جو دنیا کو تین بار اور بار بار طلاق دیتا رہا، جس نے حلال لذات تک کو ترک رکھا، جس نے محنت ومشقت وریاضت کو دین بنا دیا، جس کے طرزِ عمل نے مخالفوں کو دوست کہلانے کی ہمت دی، جس کے ایثار وقربانی کو محبت اور دوستی کی سند میں پیش کیا جاتا ہے۔ وہ ہمارا والی ومولا ومرشد بن سکتا ہے جو فقیری کو حکومت پر ترجیح دے، دنیا بھر کی حکومت کو بھیڑ کی ناک سے نکلی ہوئی گندگی قرار دے، جس کی ایک شکستہ جوتی ساری دنیا کی شاہی اور دولت

سے زیادہ قیمتی ہو، جس کے سامنے کوئی مفتی فتویٰ نہ دے۔

اِس شعبے نے اُن تمام لوگوں کو جذب کرلیا جو فقہا اور مفتیوں اور قاضیوں کے ستائے ہوئے تھے۔ اُس نے وہ تمام سامان مہیا کرنے کی کوشش کی جس کی مدد سے نوجوان طبقہ دین کی طرف قدم قدم بڑھایا جاسکے۔ جو کام ڈنڈے اور حکومت کی طاقت سے نہ ہوسکتا تھا یہ شعبہ صرف اشاروں سے کرالیتا تھا۔ سردی اور گرمی کی اذیت، بارش کے تھپیڑوں، دیکھنے والے باشرع لوگوں کے طعن وطنز سے بے نیاز، ہر حال میں مگن، کسی سے مدد کے خواہاں نہ کسی سے بات کرنے کی حاجت، کیا وہ اپنے بال بچوں، دل کے ٹکڑوں، فدا کار حسین شریکِ حیات کو بھول گئے ہیں؟ کیا ایسے جگر پاروں اور دل نوازوں کو بھولا جاسکتا ہے؟ دنیا کی تمام لذتیں اور لطف وکرم تمام آرام وآسائشیں یاد ہیں، نرم بستر گرم لباس یاد ہے۔ وہ نزلہ، بخار، نمونیا، موت سب کا انتظار کرتے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اب تمام مصیبتیں آفتیں خطرات اُن سے ڈرنے لگے ہیں۔ اُن میں اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ لوگ بھی ملتے ہیں۔ مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی وہ چاہتے ہیں وہ اُس تمام دنیاوی سامان (جس کو اُنہوں نے چھوڑ دیا ہے) سے زیادہ قیمتی ہے۔ وہ کس بنیاد پر اتنے پُر یقین ہیں کہ اپنی زندگی اور اُسکے تمام متعلقات اور پوری کائنات کو تج دیا ہے؟ پلٹ کر نہ دیکھا اور اطمینان سے چل دیئے۔ یہ اطمینان کہاں سے ملا ہے؟ کس نے دیا ہے؟ اُنہیں معلوم ہے کہ ترک دنیا شرعاً منع ہے۔ اسلام سے خارج ہونے کی دھمکی کانوں میں گونجتی رہی بچوں کا رونا زوجہ کی فریاد دماغ میں ہیجان پیدا کرتی رہی۔ فرائض پکارتے رہے یقیناً کوئی اِن سب سے بڑا فریضہ سامنے ہے۔ کوئی دین ودنیا سے بھی زیادہ قیمتی اور پُر یقین حقیقت بالکل سامنے ہے کوئی ایسا حکم وحاکم سامنے ہے جس نے کہہ دیا ہے کہ:

''تمہیں سچ مچ یہ دکھانا ہے کہ مجھے واقعی میرے بچے، میرے ماں باپ میرے اموال واسباب، میرے عزیز واقربا، دین ودنیا آپؐ سے زیادہ پیارے نہیں ہیں۔ میں حضورؐ کی رضامندی حاصل کرنے کو مال وزر وزن وجائیداد وتجارت واولاد وآباواقربا اور اپنی ذات ونجات وبقا سے زیادہ چاہتا ہوں (9/20-24)۔ میں اُس مشن کا ممبر بننا چاہتا ہوں جس میں اپنی پوری نفسیات فروخت کردی جاتی ہیں (2/207)۔ میں رضائے خداوندی کے حصول کیلئے دائرۂ سلامتی میں داخل ہوجانے کی جرأت کررہا ہوں (2/208)۔ میں نے اس دنیا کا کھیل تماشہ ہونا ثابت کر دینا طے کرلیا ہے (6/32)، (29/64)، (47/36) اور میں دنیا کے فریب اور دھوکے سے باہر نکل آیا ہوں (57/20)۔ میں حضرت عیسیٰؑ کے متبعین سے بڑھ جانا چاہتا ہوں (متی 10/36-37) (متی 19/16-24)۔ میں ناپاک مومنین میں سے نکل کر پاک اور مطہر نظام کے ساتھ کھڑا ہونا چاہتا ہوں، یوں اِس شعبہ نے اللہ کا کیا ہوا وعدہ (3/179) پورا کرنا شروع کیا''

یہ لوگ مندروں میں چلے گئے اور مندر سے متعلق تمام ہندوؤں کو مسلمان کرکے نکلتے۔ اُن سے خوشی خوشی مسجدیں بنواتے اور رفتہ رفتہ چند کروٹوں کے بعد زمرۂ حق میں بھیج دیتے۔ یہ حضرات تمام مکاتیبِ فکر میں گھل مل گئے۔ اور قدم قدم جتنا ممکن ہوا حق کی طرف موڑتے رہے۔ خطرناک عقائد کو سب سے پہلے ڈانواں ڈول کرتے، صحیح عقیدہ سامنے رکھتے اور چھوڑ دیتے۔ بلا تصادم مذہبِ محمدؐ وآل محمدؐ کی تبلیغ کرتے رہے۔ اُنہیں تبلیغ کی جلدی نہ تھی۔ وہ تمام عوام الناس کو مغالطہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے معذور وبے خطا سمجھتے۔ سب سے ہر حال میں ہمدردی وتعاون کرتے۔ اس شعبہ نے اہل باطل کے نظام کی جڑیں کھوکھلی کردیں۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو بات کرنے، غور کرنے پر آمادہ کیا۔ بتدریج علمی گفتگو کے نام پر نازک بحثیں اور عقائد واعمال پر تنقید ہونے لگی۔ جن مسائل کے ذکر پر، جن سوالات کو سنتے ہی تلوار اور دُرہ دکھایا جاتا تھا اُن باتوں کو سننے اور نقائص پر غور کرنے کے لئے آمادہ کرنا پہلی منزل تھی جو اس شعبہ نے آسان کردی۔ وہ نفاق اور سرکشی کو جانچنے اور دشمن ودوست کو پہچاننے کے بے پناہ اصول برسرکار لاتے تھے۔ اُنہوں نے مسلمانوں میں وہ تمام صفات پیدا کیں جو نظام اجتہاد نے تباہ کی تھیں۔ سیاسی طرز فکر نے رسولؐ اللہ کے احکام کی بھی بے چون وچرا تعمیل نہ ہونے دی۔ اس شعبہ نے معجزات وکرامات

وخرقِ عادات پر نہ صرف یقین دلایا بلکہ اپنے متبعین میں معجزاتی بصیرت وقدرت پیدا کی۔ اور تحریک کے سربراہوں نے ضرورت پڑنے پر متبعین کے ہاتھ پر معجزات جاری کئے اور ہر وہ بات منوا کر چھوڑی جو رسولؐ اللہ کے نام سے قبول نہ کی گئی تھی۔ تحریک کے اس شعبے نے زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھنا اور پھیلنا شروع کیا۔ تمام ممالک میں اُسی رنگ میں پہنچے جو وہاں موزوں تھا۔ نئے نام رکھے، نئی اصطلاحات جاری کیں، قرآن اور صاحبان قرآن کی تعلیمات جاری کیں، ناموں اور کاموں کو لفظی تعصب سے ملوث نہ ہونے دیا تا کہ لوگ اپنی چیز سمجھ کر اختیار کریں۔ اعلانیہ اور انڈر گراؤنڈ شعبوں کو مربوط رکھا۔ ہر دَور کے ہر مکتبِ فکر کو متاثر کرتے، اُن کے جمود کو حرکت میں لاتے، اُن کو اُن کے تصورات وعقائد کے پوشیدہ نقائص پر مطلع کرتے اور نئے تصورات کو جنم دیتے قبول کراتے۔ ہر مکتبِ فکر کو دھکیلتے، کروٹیں دیتے اور بتدریج موڑ موڑ کر حق سے قریب کرتے۔ اُن کے دانشوروں اور ہونہار لوگوں کو اپنے اندر ضم کرتے چلے جاتے۔ ملک اور بیرون ملک یہ روحانی خلافت پھیل گئی۔ خرقہ پوش خلافتوں نے، خلافت باطلہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ یہ سلسلہ ہر کلیدی مقام تک سائے کی طرح جا پہنچا اور خود حاکمانِ وقت سے اپنے مقاصد کی تائید وتقویت حاصل کی۔ یہ خلافت ہر ملک میں آج تک جاری ہے۔ خلافتِ باطلہ جڑ سے اکھڑ گئی اور آج اُس کا قصہ بھی پرانا ہو گیا۔ لیکن یہ روحانی خلافت باوجود مخالفت کے جاری ہے اور اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک ظہورِ حقؑ نہ ہو جائے۔

''تفسیر الامام العسکریؑ'' میں تقیہ پر مبنی چند روایات وواقعات درج ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں 'اصحابِ عشرہ' پر مشکل میں گرفتار مومن کا جواب صفحہ 356، اسی طرح امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے دور میں امام وقت کی امامت پر سوال صفحہ 360، پھر مختلف ادوار میں رسولؐ اللہ کے بعد خیر الناس، خلافت وامامت پر سوالات صفحہ 360، امام حسن عسکریؑ کے زمانہ میں خلافت کے بارے میں ایک مومن کا دوسرے مومن کو جواب دینے کا سلیقہ بتانا صفحہ 364، ان سوالات کے جوابات، انتہائی عقل وشعور وتقویٰ کے معیار پر دئے گئے ہیں۔ سچائی اور حقیقت سے انحراف نہیں کیا گیا اور پھر آئمہ طاہرینؑ نے ان جوابات کی تفسیر وتائید فرمائی ہے۔ یہ جوابات چونکہ مخاطب دشمنوں کی عقل وشعور سے بالاتر تھے۔ اس لئے جاہل وبے وقوف مغالطہ کھاتے رہے اور اسی اپنی بے عقلی اور جاہلیت کی بنا پر اس طرزِ فکر کو جھوٹ، دھوکہ بازی، جعل سازی اور فریب کا نام دیتے رہے۔

قارئین کرام غور فرمائیں کہ ان واضح مثالوں کے بعد لغات سے مصدری معنی کے خلاف، رسولؐ پاک کے اوّلین چالیس سال اور مذکورہ بالا اعلیٰ درجہ کے متقی حضرات کے تصورات وکردار اور عمل کو مصلحت آمیز جھوٹ، فریب یا دھوکہ قرار دیا جا سکتا ہے؟؟

شہدائے کربلا علیہم السلام کا کردار اور عمل

حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں ایمان کی تین علامتیں تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ:

1) ایمان کی علامت یہ ہے کہ جس موقع پر سچ بولنا تمہارے لیے نقصان کا سبب بنتا ہو اور جھوٹ تمہیں فائدہ پہنچاتا ہو وہاں سچ کو جھوٹ پر ترجیح دو۔
2) اور یہ بھی علامت ہے کہ تمہاری باتیں تمہارے عمل سے علم سے بڑھ کر نہ ہوں۔
3) اور یہ بھی علامت ایمان ہے کہ دوسروں کی باتیں کرتے ہوئے اللہ کے سامنے ذمہ دار رہو۔ (نہج البلاغہ)

کربلا تمام انسانیت کیلئے مشعل راہ اور درس گاہ ہے۔ حجتِ خدا کا کردار وعمل تمام انسانیت کیلئے نمونہ عمل ہے۔ حجتؑ خدا کی اتباع ہی میں انسانیت معراج حاصل کر سکتی ہے۔ یہ تمام قدرتیں انسانی وسعت میں رکھی گئی ہیں۔ شہدائے کربلا نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی اتباع میں خدا کے دین کی خاطر لازوال قربانیاں پیش کیں اور رحمۃ للعالمین حضرت محمدؐ سے اپنا بھائی کہلوانے کا استحقاق حاصل کیا۔ دین اور حق کی خاطر جہاد اور شہادت کا اعلیٰ ترین سبق دیا اور

انسانیت کیلئے فلاح کے دروازے چوپٹ کھول دئے ۔ یہ تصور کہ جان کو خطرہ کی صورت میں تقیّہ بمعنی کلمہ کفر، مصلحت آمیز جھوٹ، فریب یا دھوکہ دیا جا سکتا ہے جب کہ دین کا 9/10 حصہ تقیّہ پر بنیاد رکھتا ہو، سید الشہدأ امام حسین علیہ السلام اور باقی شہدائے کربلا علیہم السلام کی عظیم الشان توہین ہے ۔ اگر یہی تصور درست ہے تو حجت خدا کو دین کے 9/10 حصہ سے (معاذ اللہ) نابلد ماننا پڑے گا اور اپنے آپ کو، ناموس رسالتؐ اور رفقائے کار کو خطرات میں ڈالنے ،شہادتیں پیش کرنے اور ناموس رسالتؐ کو دربدر تشہیر ہونے کی معاذ اللہ سنگین غلطی تصور ہوگی ۔

مصلحت آمیز جھوٹ کی مذمت

عبداللہ بن عطا کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو یہ واقعہ سنایا کہ:

۔''کوفہ کے شیعوں میں سے دو شیعہ، شیعہ ہونے کی بنا پر گرفتار کئے گئے اور انہیں حکم دیا گیا کہ (معاذ اللہ) وہ حضرت علیؑ پر تبرّا کریں ۔ چنانچہ اُن میں سے ایک نے تبرّا کر دیا مگر دوسرے نے انکار کر دیا ۔ چنانچہ جس نے حضرت علیؑ سے بیزاری کا اعلان کیا اُسے آزادی مل گئی اور جس نے علی مرتضٰی علیہ السلام سے وابستگی پر اصرار کیا اُسے قتل کر دیا گیا ۔ یہ سن کر امام محمدؑ باقر نے فرمایا کہ:

''جس شخص نے حضرت علیؑ سے بیزاری کا اعلان کیا وہ اپنے اُس دین کا فقیہ تھا ۔ اور جس نے حضرت علیؑ سے ہر حال میں وابستہ رہنے کا اعلان کیا وہ اپنے دین میں جنت حاصل کرنے میں عجلت کر گیا ۔''

یہ حدیث چونکہ ہمارے نام نہاد علما کے مذہب کو اجاگر کر کے سامنے لاتی ہے ۔ یعنی اہلبیتؑ کے لئے ہرگز زندگی کو خطرہ میں نہ ڈالا جائے اور ایک شریف و حقیقی شیعہ کو اُس لعنتی فقیہ سے نفرت ہوتی ہے، اس لئے اس حدیث کو سہارا دینے اور مجتہد کو محفوظ رکھنے کے لئے شیعہ مجتہدین نے کافی مرمت کی ہے ،لکچر دیئے ہیں اور کوشش کی ہے کہ اس طرح جان بچاتے رہنے والوں کو برا نہ کہا جائے ۔ لہٰذا پہلے ایک بیان جناب علامہ محمد باقر مجلسی اور کمرئی کا سن لیں فرماتے ہیں کہ:

۔''اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص جہالت اور نادانی کی وجہ سے تقیّہ کو ترک کر دے، یعنی محمدؐ و آل محمدؐ سے وابستہ رہے تو اُسے اجر اور ثواب مل سکتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تقیہ کو ترک کرنا جائز نہیں رہا ہے ۔'' یہاں تک مجلسی کا بیان تھا ۔ میں (کمرئی) کہتا ہوں کہ اس حدیث میں تقیہ کو ترک کر کے موضوع کو جہالت اور نادانی سے متعلق کرنا ہی ایک غلطی ہے ۔ ایسی صورت میں جب کہ کوئی شخص اپنے دین کے تحفظ کیلئے اپنی زندگی اپنے ہاتھ سے قربان کر رہا ہو ۔ یہ جائز نہیں کہ اسے ایک ادنیٰ سے مسئلہ سے واقفیت نہ تھی ۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اس نے اپنے خلوص اور فداکاری کے جذبہ سے ایسا موقعہ پیدا کر لیا کہ راہ خدا میں تیزی سے جنت میں داخلہ لے لیا ۔''

یہ دونوں بیان سامنے رکھئے اور سوچئے کہ دنیا میں کوئی ایسا انسان یا ترقی یافتہ جانور مل سکتا ہے جو موت اور زندگی ہاتھ میں ہوتے ہوئے جان بچانے کو ترجیح نہ دے؟ یعنی ہر شخص بلا کسی تعلیم و تہذیب کے فطری طور پر اپنی جان بچاتا ہے ۔ یہ جان بچانا کسی بھی اجر و ثواب کا حق دار نہیں بنا سکتا ۔ اور اگر اس طرح جان بچانا اجر و ثواب کا مستحق بناتا ہے تو راہ خدا میں شہید ہونے والے تمام لوگوں کو خودکشی کا مجرم اور عذاب خداوندی کا مستحق ماننا پڑے گا ۔ رہ گیا مسائل دین سے ناواقفیت کی بنا پر کہیں اچانک پھنس جانا، جیسا کہ جناب عمار یاسر رضی اللہ عنہ کا واقعہ تھا ۔ اور ایسی حالت میں از راہ جہالت جان بچا لینا ۔ اسے جائز فرما دیا گیا ہے ۔ لیکن جب ہمیں معلوم ہے کہ:

(1) ہم دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں (2) ہمیں طاقتور رہنے (3) اور تحفظ کی تدابیر اختیار کرنے (4) اور وسائل حفاظت فراہم رکھنے (5) اور اشتعال انگیز رویہ سے باز رہنے اور (6) ملی راز و اسرار پوشیدہ رکھنے کے احکام ڈیڑھ سو سال سے ملتے چلے آ رہے ہوں (7) اور ہم خود اپنی لاپرواہی اور بداحتیاطی

سے جان کے خطرہ میں پڑے ہوں (8) تو اب جان بچانے کے لئے وہ کام کر لینا جو دین و دنیا دونوں کو تباہ کر دے واقعی ایک نام نہاد عالم یا فقیہ ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ وہ سوچے گا کہ ''جان ہے تو جہان ہے۔'' زندہ ہوں گا تو توبہ کرسکوں گا، نمازیں پڑھوں گا، کماؤں گا خیرات کروں گا، اللہ غفور الرحیم ہے آئمہؑ بڑے رحم دل حضرات ہیں معاف کر دیں گے۔ لہٰذا اُس فقیہ نے یہی کیا۔ ولایت محمدیہؐ پر معاذ اللہ تین حرف کہے اور خیریت سے گھر چلا آیا اور شاید وہ سب کچھ بھی کیا ہو جو ہم نے تجویز کیا۔ بہرحال اس کی توبہ قبول کرنا نہ کرنا اللہ کے ہاتھ میں رہا۔ اور اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ مغفرت کیلئے محمدؐ کی طرف سے رضامندی و سفارش ضروری ہے (منافقون 63/5، محمدؐ 47/19، فتح 48/11)۔ لہٰذا یہ تو ثابت ہے کہ اُن دونوں نے باوجود سخت اور شدید ممانعت کے وہ جرم کیا جس کی سزا قتل مذکور ہو چکی ہے۔ اُس جرم کے بعد ایک اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ اور آئندہ دشمنوں کو اُس کے ذریعہ سے مزید جاسوسی میں مدد نہیں مل سکتی۔ وہ بھی اگر چاہتا تو لعنت و تبرا اور ولایت محمدیہؐ سے بے زاری کے بعد زندہ رہتا۔ خواہ توبہ کرتا یا دشمن کا مددگار بن جاتا۔ لیکن اُس نے شارع عام پر ثابت کیا کہ وہ محمدؐ و آل محمدؐ کے لئے جان دینا پسند کرتا ہے۔ اُن سے بے زاری کر کے دین و دنیا خراب کرنے کا مجرم نہیں بننا چاہتا۔ اُس فداکاری پر اسے امام علیہ السلام کی طرف سے جنت کی سند مل گئی۔ دوسرے شخص نے شارع عام پر ثابت کیا کہ محمدؐ و آل محمدؐ کی ایسی پوزیشن نہیں ہے کہ ان کے لئے قربانی دی جائے۔ یہ بدترین نمونہ دیکھنے والے دشمنانِ آلِ محمدؐ کی ہمت افزائی کر کے اس نے لعنت و تبرا کیا۔ محمدؐ و آل محمدؐ سے بے زاری کے عالم میں دنیا میں زندہ رہا اور دشمنوں کے لئے مزید تقویت کی مثال بن گیا۔

اس کے لئے امام علیہ السلام کا کسی اجر و ثواب کا ذکر نہ کرنا، اسے اپنے مذہب حقہ کا محافظ بھی نہ کہنا حتّٰی کہ اسے اپنے (امامؑ کے) دین کا فقیہ (فَرَجلٌ فَقِیْہٌ فِیْ دِیْنِی) بھی نہ کہنا بتاتا ہے کہ اُس نے اللہ و رسولؐ اور امامؑ کے دین کا تحفظ نہیں کیا بلکہ الٹا یہ کہنا کہ وہ شخص جس نے تبرا کر لیا وہ (اُس کے) اپنے دین کا فقیہ تھا (فَرَجلٌ فَقِیْہٌ فِیْ دِیْنِہٖ) اس ملعون کو مذہبِ حقہ اثنا عشریہ سے خارج کر دیتا ہے۔ اور مخالف مذہب کا فقیہ بنا دیتا ہے۔

والسلام